نظرات

کسی بھی قوم کی اس سے بڑھ کر بدقسمتی اور حرماں نصیبی کیا ہوگی کہ وہ اخلاقی لحاظ سے اور سماجی اعتبار سے اس قدر زوال پذیر ہو جائے کہ اس کے کردار اور افعال سے عام لوگوں کا جینا دوبھر ہو جاتے۔ ایک عام انسان اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لاکر بھی سماج اور معاشرہ کی ان بندشوں کو توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکے جو ہر طرح کے اعلیٰ انسانی اقدار اور اخلاقِ عُلیا کے منافی ہوں۔ اگر اقوام عالم کی تاریخ پر ایک سرسری نظر بھی ڈال لی جائے تو یہ اندازہ لگانا کچھ زیادہ مشکل نہیں کہ ماضی میں مصر، روم، ایران، یونان اور چین جیسی انتہائی مہذب اور متمدن اقوام کے زوال کی وجوہات دراصل اسی بات میں پوشیدہ تھی کہ وہاں کے خواص اور ذمہ دار لوگوں کی زندگیوں میں اور سماجی ماحول میں اس قدر تصنع، بناوٹ، دکھاوا، نمائش اور اخلاقی گراوٹ کا مکمل غلبہ ہو چکا تھا۔ وہاں کی عام زندگی انتشار، افتراق اور افراتفری میں مبتلا ہو گئی تھی۔ اس لئے کہ عوام بہرحال اس ساختہ اونچے معیار پر نہیں لے جا سکتے تھے جن کا تقاضا اور مطالبہ اس وقت کے سماج کی پُر تصنع دُنیا ان سے کرتی تھی۔

اس میں قطعاً دو رائے کی گنجائش نہیں ہے کہ نظام اخلاق کی تباہی گھن کی طرح قوم کو کھوکھلا کردیتی ہے جس کا نتیجہ بہرحال تباہی اور بربادی ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس قوم کا نظام اخلاق اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے، جس قوم میں کردار کی بلندی ہوتی ہے، افکار میں سنجیدگی، اور اظہار میں نڈرپن ہوتا ہے وہ قوم دنیا کے اسٹیج پر بڑی آب و تاب، طمطراق اور شان و شوکت کے ساتھ فرماں روائی کرتی ہے اور ایک طویل مدت تک قائم اور برقرار رہتی ہے۔ مگر جب کسی قوم یا ملت کا نظام اخلاق تباہ اور کرم خوردہ ہوجاتا ہے اس کے اوصاف مردانہ زائل ہوجاتے ہیں اور عیش و عشرت میں پڑکر اپنی قوت مدافعت کھو دیتی ہے تو وہ رو بزوال ہوجاتی ہے اور دنیوی اسٹیج پر زیادہ دنوں تک برقرار نہیں رہ سکتی۔ اس ٹھوس حقیقت پر تاریخ عالم کے اوراق شاہد عدل ہیں۔

چنانچہ رومن امپائر کی عظیم الشان سلطنت کا جائزہ لیا جائے۔ ایرانیوں اور ساسانیوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے، عاد و ثمود کے واقعات پر نظر ڈالی جائے۔ فرعون اور بنی اسرائیل کی داستان پڑھی جائے اور خود اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار کو پیش نظر رکھا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ تمام قوموں کے عروج و زوال اور فنا و بقا کا دار و مدار فقط اخلاق اور کردار پر رہا ہے۔ جب قومیں اپنے اخلاقی قبا کے دامن کو تار تار کردیتی ہیں، ظلم و ستم اور ناحق کوشی کا راستہ اختیار کرلیتی ہیں۔ دوسروں کے حقوق کو پامال کرنے لگ جاتی ہیں اور عیش و آرام اور بدمستیوں میں غرق ہوکر حیوانیت کی سطح پر اتر آتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جب ان سے اعلیٰ انسانی صفات اور اخلاقِ عُلیا رخصت ہوجاتے ہیں تو ایسی قوم پر عذاب الٰہی اور قہر الٰہی مختلف شکلوں میں نازل ہونے لگتی ہے اور پھر وہ قوم یا تو صفحۂ ہستی سے مٹادی جاتی ہے یا پھر دوسری قوموں کی غلام بنا دی

جاتی ہیں۔ کیونکہ جس قوم کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں تو پھر وہ قوم دنیا کی امامت اور قیادت کا بار گراں سنبھالنے کی اہل باقی نہیں رہتی۔

اس آفاقی حقیقت پر آج عرب ممالک کی زبوں حالی، انتشار اور پراگندگی ایک عمدہ اور بہترین مثال ہے جن کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے نظام اخلاق کو تباہ کرکے محض اپنی دنیا میں مست ہیں۔ عیاشیوں اور بدمستیوں میں پڑکر ... (اسرائیل) ایک چھوٹی سی معتوب اور مغضوب قوم تک کا مقابلہ کرنے اور اپنی حکومتوں، اپنے قبلۂ اول تک کو بچالیجانے تک کے قابل نہ رہے اس کے برخلاف شمالی ویٹ نام کی ایک چھوٹی سی مگر بہادر اور جفاکش قوم ہے جو تن من دھن کی بازی لگا کر امریکہ جیسی دنیا کی باجبروت حکومت کو ناکوں چنے چبوا چکی ہے۔

قرآن کریم کی صداقت وحقانیت، اور رب العالمین کا فرمان بھلا کون جھٹلا سکتا ہے؛ فرمایا گیا ہے۔

وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ○ (بنی اسرائیل)

اور جب ہم کسی بستی (یا قوم) کو تباہ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس بستی کے خوشحال لوگوں کو (اچھائیوں) کا حکم کرتے ہیں مگر جب وہ (اس کے برعکس) فسق وفجور اور بدعملی میں لگن ہو جاتے ہیں تو پھر اس پر ہماری بات پوری ہو جاتی ہے، اور ہم اس کو صفحۂ ہستی سے مٹادیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ کسی قوم کو معزول نہیں فرماتا بلکہ قومیں

اپنے عمل و کردار سے اپنا مقام و منصب مقرر کرتی ہیں۔ جیسا عمل ہوتا ہے ویسا ہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے یہ خدا کا اٹل قانون اور سنت اللہ ہے اور "لا تبدیل لسنۃ اللہ" اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی

یہ ایک بنیادی اصول ہے کہ کسی بھی قوم اور ملت کے لئے ایسے متوازن انسانی اقدار کو فروغ دینا اور ایسے اخلاقی، سماجی اور معاشرتی اقدار کے حصول کے بعد تحفظ اور بقا کے لئے مؤثر قدم اٹھانا فرد کی بھی ذمہ داری ہے اور جماعت کی بھی، جیسے ایک عام انسان اپنا کر قبول کر سکے۔
دورِ حاضر میں مسلمانوں کے لئے جن کی بین اقوامی مردم شماری کی سطح پر دوسری عظیم اکثریت ہے۔ یہ ایک اہم ذمہ داری مسلمانوں کے کاندھوں پر ہے کہ وہ عالمی سطح پر اخلاقی قیادت کا باگ ڈور سنبھال کر اپنے احساس اور فرائض کی ادائیگی کا ثبوت فراہم کرے۔

مسلمان ہونے کے ناطے ہمارا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ "اسلام" سے ہٹ کر کسی بھی لائحہ عمل، طرزِ زندگی اور نظامِ حیات کا تصور بھی غلط اور اخلاقی جرم ہے دُنیائے اسلام کے مسلمانوں کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ اسلام کا منبع و مرکز قرآنِ کریم ہر دور اور ہر زمانے اور ہر انسان کی ترقی و بقاء کے لئے مشعلِ راہ اور چراغِ ہدایت ہے۔ انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر اس کی تعلیمات محیط ہیں۔ قرآن نے انسان کی پوری زندگی اور اس کے مختلف پہلوؤں کے لئے اصولی ہدایات دی ہیں اور قرآن مجید نوع انسان کے لئے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ قرآنِ کریم ایک مکمل نظام فکر و عمل کے

طور پر بھیجا گیا ہے اور اس کی تعلیمات کے بعد انسان کی دوسری تعلیم کا محتاج نہیں رہتا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انسانی ضروریات اور نفسیات کے مطابق وہ تمام بنیادی تعلیمات اس کے دامن میں محفوظ کر دی ہیں جن کی انسانیت کو تاقیام قیامت ضرورت پڑتی رہے گی۔ اس کی تعلیمات نہایت ٹھوس اور پائیدار ہیں اور ایسے اٹل حقائق پر مبنی ہیں کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اسے کوئی فلسفہ اور نظام رد نہیں کر سکا، اور نہ ماہ و سال کی گردشوں کے ساتھ کوئی نقطۂ نظر ان کو کمزور اور ناقابلِ عمل ثابت کر سکا۔ ہمارے علم میں جس قدر وسعت پیدا ہوگی۔ زمانہ ارتقائی منازل کی طرف آگے بڑھتا جائے گا اسی قدر قرآن کریم کی حقانیت، صداقت، اور ابدیت مضبوط اور مستحکم ہوتی جائے گی۔ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ وہ نہ صرف وحدت انسانیت کا قائل ہے بلکہ احترام آدمیت، حریت، صداقت، مساوات، امن و سلامتی، ہمدردی و بہی خواہی، اخوت و محبت رواداری اور بھائی چارے کا سب سے بڑا داعی اور علمبردار بھی ہے۔

قرآن نے اپنے پیروکاروں کو "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کا شدت سے حکم اور کردار سازی پر زبردست زور دیا ہے بلکہ اس کام کو ایک اہم فریضہ قرار دیا ہے۔ قرآن چاہتا ہے کہ انسانی سماج اور معاشرہ میں نیکی پروان چڑھے اور برائیوں کا استیصال ہو حق و صداقت کو پھلنے پھولنے کا موقع ملے اور بدی و ظلم کا خاتمہ ہو اور اس طرح انسانی سوسائٹی نہ صرف گلشن نشان بن جائے بلکہ جنت بداماں ہو جائے۔!!!